ڈاکٹر محمد ممتاز خان

ڈاکٹر جاوید چانڈیو

منظوم سرائیکی قصہ ہائے 'سسی پنہوں' کا تقابلی مطالعہ

Abstract:

Incident of the love story of Sassi Punnu took place around 900 years ago. Its delimitations are southern Punjab, Sindh and Baluchistan. This story generally covers folk tales tradition of one third geographical area of Pakistan because of the very fact of its presence in every regional language of these areas. It is observed that this story partially differs with reference to places, people and occurrence of incidents. This article analyzes these differences to seek the nearest form of original story. It also provides insight to the story according to the different versions of the poets who narrated this story. Poets depict and record their poetic endeavor in all situations and events of their respective era and area. This article is not only an understanding but also a comparative and critical study of this folk tale, Sassi Punnu. This article also examines the mutual historical impact of "Sassi Punnu" on the development of the folk tales of the area.

Key words: *Siraiki literature, Folk tales, Sassi Punnu.*

سرائیکی وادیٔ سندھ میں پنپنے والی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے۔ اس زبان میں مختلف اصنافِ سخن کی ایک مسلسل، مربوط اور مضبوط روایت موجود ہے۔ ان اصناف میں منظوم قصوں کی روایت بہت قدیم ہے۔ پرانے وقتوں میں دادیاں، نانیاں اور مائیں بچوں کا دل بہلانے اور اچھی تربیت کرنے کی غرض سے انہیں مختلف قصے کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ اس طرح یہ قصے کہانیاں سنایاں کرتی تھیں۔ اس طرح یہ قصے کہانیاں ایک غیر رسمی تدریسی عمل کا حصہ تھیں۔ یہ روایت کیوں کہ صدیوں پر محیط ہے؛ اس یے یہ اپنا مستحکم ادبی مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ قصے کہانیوں کو بیان کرنے کے دو اسلوب ہیں: ایک نثری اور دوسرا منظوم۔ یہ دونوں اسلوب قصوں کو بیان کرنے کے لیے مستعمل چلے آرہے ہیں۔ سرائیکی شاعری کے دوسرے دور (۱۱۰۰ تا ۱۲۷۳) میں قصہ گوئی کو جتنا عروج حاصل ہوا، کسی اور صنف کو حاصل نہ ہو سکا۔ یہ دوسرا دور جو کہ صوفیانہ شاعری کا دور کہلاتا ہے اس دور کو قصہ گوئی کا

عبوری دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ صوفیا کرام نے لوگوں کو درسِ اخلاق و محبت دینے کے لیے عشقیہ داستانوں کو منظوم کرنا شروع کر دیا۔ ان داستانوں میں صرف انہی داستانوں کو موضعِ سخن بنایا جاتا تھا جن میں ناکام محبت اور معاشرے کے واقعاتی جبر کے ساتھ ساتھ ہجر و فراق کی کیفیات پائی جاتی تھیں۔ اس ہجر و فراق کے پس منظر میں نہ صرف انسان کی خدا سے دوری کو بیان کر کے لقاءِ اللہ کی طرف راغب کیا جاتا تھا، بلکہ استحصال کنندہ کرداروں سے نفرت کے جذبے کو برانگیخت کیا جاتا تھا۔ شعرا نے سسی پنوں، ہیر رانجھا، مرزا صاحباں، سوہنی مہینوال، مصری بائی اور سمی راول جیسے قصوں کو علامتی انداز میں پیش کیا۔ ان کے علاوہ شیریں فرہاد، لیلیٰ مجنوں، سیف الملوک اور یوسف زلیخا جیسے غیر علاقائی قصوں کو بھی منظوم کیا۔ مؤخر الذکر قصوں میں اہم بات یہ ہے کہ تمام قصے بدیسی ہیں مگر سخن وروں نے انہیں اپنے دیس کے رنگ میں اس طرح پیش کیا ہے کہ ان میں سرائیکی علاقے کا تمدن، ثقافت، سماج اور ادب بھرپور انداز سے جھلک رہا ہے۔ یہ تمام ملکی و غیر ملکی قصے پیش منظر میں رومانی لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ ان قصوں میں سب سے خوب صورت رومانی لبادہ س'سی پنوں' کا ہے۔ اس لیے یہ قصہ تمام قصوں کا سرتاج ہے۔ سب سے زیادہ لکھا، پڑھا اور سنے جانے والا یہ قصہ نہ صرف رومانی بلکی خالص تصوفانہ رنگ میں بھی ملتا ہے۔ تصوفانہ پیش کش میں "سسی پنوں" کو علامتی قصہ کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ان دونوں اسالیب میں مقبول اس قصے پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

"سسی پنوں کے قصے کو شمالی مغربی ہندوستان میں وہی اہمیت حاصل ہے جو ڈھولا مارو کو راجستھان میں مادھونل اور کام کنڈلا کو بہار میں۔ سندھ، کچھ، بلوچستان اور پنجاب میں یہ قصہ بچے بچے کی زبان پر ہے۔ سندھی عوام میں تو سسی اور پنوں کو اولیا کا مرتبہ حامل ہے لیکن سندھ کی نسبت پنجاب میں اسے جو حُسنِ قبول ملا، بیان سے باہر ہے۔"(۱)

لمحہ موجود تک سرائیکی میں اس داستان کو ۳۸ شاعروں نے دوہڑوں، بحروں، بندوں، ابیات، سی حرفی اور مثنوی کے انداز میں نظم کیا ہے۔ اس قصے کی روایت یوں ہے:۔

سسی پنوں کے مذکورہ بالا ۳۸ قصوں میں سے عطا محمد زخمی (خیر پور سادات، علی پور جتوئی)

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

۱	سید اکبر شاہ	سسی پنوں
۲	خلیفہ نبی بخش لغاری	سسی پنھون سرائیکی زبان ۾
۳	حسین دیدڑ	سسئ پنھون
۴	صالح محمد	سسی پنوں (۲)
۵	صالح محمد مسکین	سسی پنوں
۶	سید جلال کلیم	سسی نمانی
۷	خادم مکھن بیلوی	سسی
۸	منشی نور محمد	سسی نور محمد
۹	نورالدین مسکین	سسی پنوں
۱۰	اللہ بخش باڈھاں	سسی
۱۱	احمد بخش غافل	سسی پنوں
۱۲	حاجی محمد صفوری	سسی پنوں
۱۳	غلام رسول حسرت ملتانی	سسی پنوں
۱۴	منشی برات علی خان	اصلی قصہ سسی پنوں
۱۵	حاجی شاہ فائق	سسی دے ڈوہڑے
۱۶	صوفی احمد جان فریدی	سسی پنوں (قلمی)
۱۷	میاں عمر علی نیاز	سسی پنوں (بطرز سی حرفی ڈھولا)
۱۸	مولوی خدا بخش منظور	سسی (بند ڈوہڑے)
۱۹	اقبال وارث	سسی (بند ڈوہڑے)
۲۰	مولانا نور احمد فریدی	سسی پنوں
۲۱	غلام حیدر مستانہ	گلزار سسی
۲۲	عطا محمد زخمی	سسی پنوں (قلمی)

اور سیدلال شاہ کے قصے، جن کا ذکر

۲۳	سید لال شاہ	سسی پنوں (قلمی)
۲۴	منشی حسین بخش نادمؔ	سسی پنوں (قلمی)
۲۵	جانباز جتوئی	سسی
۲۶	سید احمد حسن پُرسوز بخاری	بحرِ درعشق سسی و غفلتِ نندر
۲۷	ایاز سہروردی	داستانِ سسی
۲۸	اکرم قریشی	کلیاتِ اکرم (قلم)
۲۹	ملک آڈھے خان نطقال	رموزِ عشق
۳۰	شہباز سید	درد سسی دے (ڈوہڑے)
۳۱	حاجی احمد فگار	قصہ سسی پنوں (قلمی)
۳۲	اعجاز ڈیروی	سسی
۳۳	محمد افضل سومرو	سسی پنوں
۳۴	نادر لشاری	سسی دے ڈوہڑے
۳۵	غلام حیدر مونس	قصہ سسی (قلمی)
۳۶	کلیم سجاد حسین کلیم	سسی (قلمی)
۳۷	صوفی محمد یار بے رنگ	سسی دا خواب (بحر)
۳۸	احمد خاں طارق	قصہ سسی پنوں

ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں کیا ہے، راقم کو باوجود بسیار کوشش کے نہیں مل سکے۔ اسی طرح ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز نے اپنی کتاب، مختصر تاریخی زبان و ادب سرائیکی میں مظفر گڑھ سے تعلق رکھنے والے دو شاعروں اللہ بخش باڈھاں اور غلام حیدر مونس کے قصوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مذکورہ دونوں قصے بھی تاحال دستیاب نہیں ہو سکے۔ معروف محقق شفیع عقیل نے اپنی کتاب 'سسی ہاشم شاہ' میں سندھ میں لکھے گئے مزید دو سرائیکی قصوں کو بھی شامل ذکر کیا ہے جو مورو فقیر اور لعلن خان لغاری نے تخلیق کیے تھے۔ ان کے حوالے سے بات کرتے ہوئے شفیع عقیل لکھتے ہیں:

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

"مورو فقیر نے بھی قصہ 'سسی پنوں' نظم کیا تھا۔ یہ پر سومل کے بیٹے تھے۔ ٹنڈو آدم کے رہنے والے تھے اور میر حاجی شیر محمد خان کے ذاتی ملازم تھے۔ ان کا تحریر کردہ قصہ 'سسی پنوں' سرائیکی میں ہے جو ۱۹۳۱ میں شکار پور سے شائع ہوا۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند میں اس سالِ تصنیف ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ تحریر ہے۔ لعلن خان لغاری کے والد کا نام علی بخش تھا۔ یہ تعلقہ شہداد پور کے گوٹھ گلن محمد خان لغاری کے باشندے تھے۔ انہوں نے سسی پنوں کی کہانی ابیات میں منظوم کی جو سندھی اور سرائیکی دونوں زبانوں میں ہے مگر اس کا بڑا حصہ سرائیکی میں ہے۔ لعلن خان لغاری اندازاً ۱۸۹۵ مطابق ۱۳۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنی داستان جمل فقیر کے تتبع میں لکھی۔ یہ رائے ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کی ہے۔"(۳)

سسی پنوں کے نمائندہ سرائیکی قصہ نگاروں اور قصوں کا تعارفی جائزہ درج ذیل ہے۔

سید اکبر شاہ (۱۱۵۸ھ تا ۱۲۷۸ھ)

ادبی تواریخ میں سید اکبر شاہ کے حالات زندگی کے بارے میں مکمل معلومات دستیاب نہیں تھیں۔ میر حسان الحیدری تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند میں 'سرائیکی ادب کی نشاۃِ ثانیہ' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"اس دور کے سب سے اولین شاعر غالباً سید اکبر شاہ (م ۱۸۵۸ / ۱۲۷۵ھ) ہیں، جن کا آبائی وطن موضع جمرانی ریاست بہاول پور تھا، مگر اکبر شاہ نے ساری عمر تبلیغ کرتے ہوئے موضع گڑھ برابر ملتان میں گزار دی۔"(۴)

سسی پنوں کے علاوہ ان کی تخلیقات میں جنگ نامہ، سی حرفی بے نمازاں، ڈیہاڑی اکبر شاہ، مدح شیخ عبد القادر جیلانی، ڈوہڑے، قصہ مرزا صاحباں اور قصہ مصری بائی بہت مقبول ہیں۔ اکبر شاہ نے قصہ سسی پنوں ۱۲۵۰ھ میں تحریر کیا جسے مولوی خدا یار و نور احمد نے ۱۸۹۴ میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع کرایا۔ اس قصے کا دوسرا ایڈیشن مولوی فیض بخش، محمد ذوالفقار تاجران کتب ملتان نے ہمدرد پریس ملتان سے شائع کیا جس پر سنِ اشاعت درج نہیں ہے اس قصے کی ابتدا سرائیکی زبان کی ہزار سالہ

شعری روایت کے مطابق ربِّ ذوالجلال کی حمد، محمدؐ عربی کی نعت، چہار یار کی مداح سرائی اور پیرانِ پیر حضرت غوثِ اعظم کی شان کے بیان سے ہوتی ہے:

اللہ لا الہ الا ہو توں رکھ نہیں دل خالی
راز رموز خزانے ربی قدرت قادر والے
پڑھ درود رسول اللہ تے ہے داریندا والی
من توں یار نبی دے چارے جنھاں یار دی لجپالی
من غوث الاعظم پیر معظم شان جیہندا اہے عالی
اکبر شاہ کر توبہ توں بھی پھد نیکاں دی چالی (۵)

اکبر شاہ کے قصے میں مرقوم کچھ واقعات دیگر قصوں سے قدرے مختلف انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں کہیں کہیں واقعاتی اور اسمی اختلافات پایا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اکبر شاہ نے قصے کو سمعی روایت سے ہٹ کر بیان کر کے طبع زادی اسلوب دینے کی کوشش کی ہے یا جلدی جلدی قصہ ختم کرنے کے لیے اس میں کچھ واقعات کا ربط خود بنایا اور بگاڑا ہے۔ عام طور پر سسی کا باپ راجہ بے اولاد نظر آتا ہے، لیکن اکبر شاہ کے ہاں قصہ کے آغاز ہی میں راجہ کی بیوی کو اُمید سے دکھایا گیا ہے۔ نجومی راجہ کو خبر دیتا ہے:

گھر تیرے امید واری ہے سک تساں نوں آہی
ہے دختر تکرار ایہا تینوں غم نہ ڈیسی ساہی (۶)

قصے کے واقعات کو اختصار سے بیان کیا گیا ہے لیکن سسی کے باغ کا بیان بہت تفصیلی ہے۔ اکبر شاہ نے یہ باغ راجہ کی بجائے سسی کو پالنے والے مالک نام کے دھوبی کی ملکیت ظاہر کیا ہے۔ مالک نے یہ باغ طاہر نام کے باغبان سے لگوایا جس میں باغ لگنے کا عمل شروع ہونے سے لے کر باغ تیار ہونے، درختوں پر لگنے والے میوہ جات، پھلوں، ان پر چہکنے بولنے والے پرندوں تک کو جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قصے میں سرائیکی رسموں، رواجوں کے ساتھ ساتھ بلوچی ثقافتی انداز کی جھلک بھی موجود دکھائی دیتی ہے۔ قصے میں سسی کے باپ کا نام بہرام، سسی کو پالے والے دھوبی کا نام مالک، پنل

خان کا نام پنوں خاں، پنوں خاں کے والد کا نام عالی خاں جبکہ پنل خان کے بھائیوں کے نام کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ ایک واقعاتی اختلاف جو دوسرے کسی بھی قصہ نگار کے ہاں نہیں ملتا وہ اکبر شاہ کے قصہ میں نظر آتا ہے، کہ سسی کو بری نگاہ سے دیکھنے والا گڈریا پنوں کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے۔

خلیفہ نبی بخش لغاری (۱۱۹۰ھ تا ۱۲۸۰ھ)

خلیفہ نبی بخش لغاری بلوچ سردار بالاچ خان کے بیٹے تھے جن کا مسکن بدین ضلع ٹھٹھہ تھا۔ وہ لغاری قبیلے کی سیر کانی شاخ کے پاڑے بالا چانی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے قصہ سسی پنوں کے مقدمہ میں غلام نبی کھوسہ ان کے حالاتِ زندگی اور مسکن پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”نبی بخش لغاری ۱۱۹۰ھ بمطابق ۱۷۷۶ کو تحصیل بدین کے مشہور قصبے مٹھی میں سردار بالاچ خان لغاری کے گھر پیدا ہوئے۔ یہ خاندان سندھ میں کلہوڑوں کے آخری دور میں آباد ہوا۔ ان کا وصال تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں ۱۲۸۰ھ بمطابق ۱۸۶۳ کو ہوا۔“(۷)

خلیفہ نبی بخش لغاری قادرالکلام شاعر ہونے کی وجہ سے ریاست خیرپور میرس کے حکمران میر صاحبان کے مصاحبین میں شمار کیے جاتے تھے۔ میر صاحبان کی مادری زبان سرائیکی تھی، اس لیے میر صاحبان کی قربت اختیار کرنے کے لیے شاعروں کو سرائیکی زبان پر اپنی سخن وری کے ہنر آزمانا ہوتے تھے۔ خلیفہ نبی بخش لغاری اپنی پختہ سرائیکی شاعری کی وجہ سے مشہور تھے۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اپنی کتاب ’سندھی زبان و ادب کی تاریخ‘ میں خلیفہ نبی بخش لغاری کے میر صاحبان کے ساتھ مراسم اور مثنوی سسی پنوں کے تخلیقی عہد و زبان پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ میر ٹھاروں خان کے خاص درباری تھے اور میر باگو خان کے ساتھ بھی دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ انہوں نے عشق، درد اور فراق کے پیرائے میں ۱۲۴۶ھ تا ۱۲۵۰ھ کے چار سالہ عرصے میں ’سسی پنھوں‘ منظوم کی۔ یہ داستان خلیفہ صاحب کے اپنے حال کا آئینہ اور اُن کے شاعرانہ شعور و تخلیق کا نمایاں کارنامہ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ سسی پنھوں خلیفہ صاحب کی سرائیکی شاعری کا شاہکار ہے۔“(۸)

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے مذکورہ بیان کے علاوہ ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر نے بھی اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ ’سرائیکی شاعری داارتقا‘ میں بھی اسی بات کی توثیق کی ہے کہ خلیفہ صاحب کی مثنوی کا تخلیقی دورانیہ ۱۲۴۶ھ تا ۱۲۵۰ھ ہے لیکن مثنوی کے آخر میں شاعر کے بیان کردہ سنِ تصنیف کے مطابق مثنوی ۲۵ ذی قعد ۱۲۵۴ھ کو پایہ تکمیل کو پہنچی۔ شاعر کا اپنا بیان ملاحظہ ہو:

لکھوں سن کوں بارھاں سوچو ونجھائی — کتابت لکھ نبی بخش بنائی
مہینہ میں لکھیا ذیعقعد والا — رہیا باقی بن پچھواں سیالا
اجاں منگدا قصہ پنج راتیں — بنیاں باتاں قصے دیاں بھات بھاتیں (۹)

خلیفہ نبی بخش لغاری کے قصہ سسی پنوں کو پہلی مرتبہ نوراحمد میمن نے مولوی محمد عظیم اینڈ سنز شاہی بازار شکارپور (سندھ) سے ۲۰ دسمبر ۱۹۷۰ میں شائع کرایا۔ خلیفہ صاحب نے یہ قصہ ۳۴ عنوانات کے تحت ۲۰۲۷ اشعار میں مکمل کیا ہے۔ قصے میں فارسی الفاظ کی کثرت کی وجہ سے اس کی سلامت و روانی متاثر ہوئی ہے۔ حمل لغاری جو نبی بخش لغاری کے رشتہ دار تھے جب ان کو مثنوی سسی پنوں کی طرز پر مثنوی لکھنے کا کہا گیا ہے تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا:

”نبی بخش لغاری کی مثنوی سسی پنوں کے تتبع میں کچھ لکھنا شیر کو جال میں بند کرنے جیسا ہے۔“(۱۰)

لغاری کے قصے کی زبان عالمانہ، انداز بیان مدلل اور واقعات بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ سرائیکی زبان میں ضخامت اور فنی پختگی کے لحاظ سے سسی پنوں کی پہلی مثنوی قرار پاتی ہے۔ سسی پنل خان کی تلاش میں گھر سے نکلنے لگتی ہے تو اسے ماں باپ رشتہ دار اور سہیلیاں سب روکتے ہیں وہ اپنے باپ کو جواب دیتے ہوئے کہتی ہے:۔

گل کفنی ملاں میں دوڑ بابا — مثل حاجیاں ڈیکھاوچ کیچ کعبہ
پنوں دے نال میڈا عشق ذاتی — نہیں بابل اساڈے لنگ صفاتی (۱۱)

اس قصہ میں سسی کے اصل باپ کا نام برہمن، دھوبی کا نام پرت، پنل خان کے کیچی بیوپاری کا نام مہتا، پنل خان کے باپ کا نام آری خان اور بھائی کا نام چنوں خان بتایا گیا ہے۔

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

حسین دیدڑ (۱۸۰۲ تا ۱۸۷۳)

خلیفہ نبی بخش لغاری کی مثنوی نے قصہ نگاری کی منظوم شکل میں ایک نئے دور کا آغاز کر دیا تھا۔ ان کی تتبع میں لکھنے کی روش میں جو نام سب سے پہلے ابھرتا ہے وہ حسین دیدڑ کا ہے۔ دیدڑ تحصیل قنبر ضلع لاڑکانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے عہد اور حالاتِ زندگی پر ڈاکٹر عبدالکریم سندیلو لکھتے ہیں:

"حسین فقیر دیدڑ گوٹھ تعلقہ قنبر ضلع لاڑکانہ کے ایک زمیندار گھرانے میں لگ بھت ۱۸۰۲ میں پیدا ہوئے۔ میر صاحبان کے عہد حکومت (۱۸۷۳ تا ۱۸۴۳) میں کاردار کے سرکاری عہد پر فائز رہے۔ مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اسی مسجد میں بیٹھ کر مثنوی سسی پنوں ۲۵ اپریل ۱۸۵۰ بمطابق رجب ۱۲۶۶ھ بروز جمعہ مکمل کی۔ انہوں نے اپنی مثنوی سسی پنوں خلیفہ صاحب کی مثنوی سسی پنوں سے متاثر ہو کر لکھی۔ ان کا وصال ۷۰ سال کی عمر میں ۱۲۹۰ھ بمطابق ۱۸۷۳ میں ہوا۔ [۱۲]

حسین دیدڑ کے سن پیدائش و سن وفات پر میر حسان الحیدری نے ڈاکٹر عبدالکریم سندیلو سے اختلاف کیا ہے۔ میر حسان الحیدری کے مطابق:

"حسین دیدڑ قریہ دیدڑ تحصیل قنبر ضلع لاڑکانہ میں ۱۸۱۵ میں پیدا ہوئے۔ حسین فطری شاعر تھا۔ اس کی قافیاں اور سی حرفیاں کافی مشہور و مقبول ہوئیں۔ وفات ۱۸۷۰ میں ہوئی۔"[۱۳]

کیفی جام پوری نے سرائیکی شاعری میں ان کا تذکرہ نہیں کیا جبکہ ڈاکٹر نصر اللہ خاں ناصر نے ان کے نام اور کلیات کے چھپنے کی حد تک معلومات درج کی ہیں۔ دیدڑ کی تمام تخلیقات میں سے سسی پنوں سب سے ضخیم اور اہم تخلیق ہے۔ لغاری کی طرح دیدڑ کے قصہ میں بھی سسی کے والد کا نام برہمن ہے، جو بیٹا پیدا ہونے کی اُمید پر ملک میں جشن مناتا ہے لیکن بیٹی کی پیدائش پر بہت مایوس ہوتا ہے۔ نجومیوں سے سسی کی قسمت کا حال جان کر اسے دریا برد کر دیتا ہے۔ سسی کا صندوق بھنبور کے ساحل پر ملائم نام کے رنگریز کے ہاتھ لگتا ہے۔ ملائم اور اس کی بیوی سلمیٰ بچی کا نام 'سسی' رکھتے ہیں۔ سسی جب رنگریز ملائم کے گھر پل کر جوان ہوتی ہے تو اس کے حسن کے چرچے چار سو پھیلنے

لگتے ہیں۔

ڈسچن ڈند جیوں دانیں اناراں مثل کنگری قلعی دے وہ قطاراں [۱۴]

پنل خان بیہا نام کے ہندو بیوپاری سے سسی کے حسن کا احوال سن کر اسے دیکھنے کے لیے کیچ سے بھنبور روانہ ہوتا ہے۔ راستے میں ایک باغ میں قیام کے دوران باغ کی مالک سھجاں نام کی سنارن پنل خان کے حسن پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ وہ پورے قافلے کی مہمان نوازی کرتی ہے۔ پنل خان کیچ پہنچ کر سسی کے دھوبی باپ کی شرطیں مان کر دھوبی بن کر کپڑے دھونا شروع کر دیتا ہے۔ پنل کے ہاتھوں ناتجربہ کاری میں کپڑے پھٹ جاتے ہیں۔ سسی لوگوں کو کپڑوں کی دگنی قیمت دے کر راضی کر لیتی ہے۔ دیدڑ کے قصے میں بسا اوقات کہانی اساطیری اور تصوفانہ رنگ اختیار کر لیتی ہے۔

شکر شہہ زور کیچی شاہ آیا ہتھوں جیں دے اساں ہے فیض پایا
کیتے ملکاں فلک دے شادمانے پڑھیئے حوراں بہشت وچ دوگانے [۱۵]

دیدڑ کے قصے میں سسی کو تھل بیابان میں ملنے والے چرواہے کا نام دوسرے قصہ کاروں کے برعکس بزدار بتایا گیا ہے جو سسی کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ جاتا ہے۔

حاجی محمد صفوری (۱۸۸۰ تا ۱۹۳۴)

ضلع خانیوال کی تحصیل عبدالحکیم کے ریلوے سٹیشن سے پانچ میل کے فاصلے پر ہیڈ سدھنائی کے نزدیک فیصل آباد روڈ پر کھجوروں کے باغات میں ایک گہرے نیلے رنگ کا گنبد نظر آتا ہے۔ یہ مائی صفوریٰ کا مزار ہے۔ حاجی محمد صفوریٰ کی چھٹی پشت میں سے تھے۔ حاجی محمد صفوری کے قصہ سسی پنوں کے مرتب صاحبزادہ یوسف طاہر قصہ کے مقدمہ میں ان کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حاجی محمد صفوری ۱۸۸۰ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو جوانی میں ایک غریب گھرانے کی دوشیزہ سے پیار ہوا لیکن طبقاتی فرق دو دلوں کے درمیان دیوار کی مانند آ ٹھہرا۔ اس عشق مجازی کے اثر کی وجہ سے آپ روحانی سکون کی تلاش میں گھر سے نکل پڑے اور مختلف عالموں، صوفیوں اور

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

درویشوں کی صحبت میں وقت گزارتے رہے۔ اسی عشق مجازی سے ہی آپ نے حقیقت کا راز پالیا۔ بالآخر ۲۷ فروری ۱۹۳۴ کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔"(۱۶)

حاجی محمد صفوری نے اپنا سرائیکی قصہ سسی پنوں ۸۱ فارسی عنوانات کے تحت مکمل کیا۔ انہوں نے بند، بیت دوہڑے اور کافی جیسی اصناف کو ذریعہ اظہار بنایا۔ انہوں نے اپنا تخلص حاجی محمد برتا ہے۔ قصہ کا آغاز روایتی مذہبی انداز میں حمد، نعت، خلفائے راشدین، اہل بیت، غوث الثقلین، سلطان الاولیا عبدالحکیم او پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی منقبت سے ہوتا ہے۔ اس قصہ میں کچھ واقعات دیگر قصوں سے ہٹ کر بیان ہوئے ہیں۔ قصہ میں سسی کا باپ راجہ بیرم بھٹہ واہن کی بجائے سیہون شریف کا حکمران ہے جو ذات کا جنجوعہ ہے۔ قصے میں راجہ بیرم کا عہد سندھ میں دلورائے کا عہد بتایا گیا ہے۔ جس کی تائید کتب تاریخ سے بھی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے دلورائے کے عہد میں اس واقعے کے رونما ہونے کی اثباتی دلیل دیتے ہوئے لکھا ہے:

"جام پور سے ۶ میل کے فاصلے پر بستی" شاہن والا" میں دلورائے راجے کی نگری کے ٹھیڑھ اب بھی موجود ہیں۔ مقامی روایات کے مطابق سسی کا جنم یہیں پر ہوا جہاں سے اس کو دریا بُرد کیا گیا۔ اور اس مقام سے کافی دور بھنبور شہر کے نزدیک ایک دھوبی کو سسی کا صندوق مل گیا۔"(۱۷)

حاجی محمد صفوری کے مطابق:

بیرم راجہ راج کریندا تخت حکومت شاہی	ہندو دھرم جنجوعہ ذاتوں فوج ہزار سپاہی
دلورائے مہاراجے نوں ٹکے بھرے ششاہی	حاجی محمد راجے دے گھر آل اولاد نہ آہی (۱۸)

صفوری نے سسی کے حُسن کو بیان کرتے وقت جسم کے ایک ایک عضو کو علیحدہ علیحدہ کمال ہنر مندی سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے سسی کا سراپا بیان کرتے وقت بازو، گلے میں ڈالی پٹی، ہسی اور مالا، ماتھے پر لٹکتا جھومر، انگلیوں میں پہنے چھلے، پیروں میں باندھی جھانجھر دلچسپ انداز میں کیا ہے:

بانہہ نرالی کنگناں والی چوڑا پہن لڈائے	آہری دیندی زیب سسی نوں شعلہ شمس ڈکھائے
ہستی ہس ہس جندڑی منگے رت سر ریر سُکائے	والا مارن کان ابا ہلا بھالا پکڑ ڈرائے (۱۹)

قصے میں سسی کی ماں کا نام سندرائی، سسی کو پالنے والے دھوبی کا نام لالہ، سسی کی سہیلی کا

نام بادل، پنل خان کی پہلی بیوی کا نام حور کندائی، پنل خان کے والد کا نام عالی خان اور بھائیوں کے نام ہوتی اور نوتی جب کہ سسی کو صحرا میں میلی آنکھ سے دیکھنے والے چرواہے کا نام 'راعی' بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے قصہ نگاروں کے برعکس صفوری نے قصے میں پنل خان کو سسی کی ملاقات سے پہلے شادی شدہ دکھایا ہے۔

سید جلال کلیم (پیدائش پ ۱۸۴۶ / ۱۲۶۳)

سید جلال شاہ کلیم کے حالات زندگی کے بارے میں سرائیکی شاعری کے تذکروں میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ کیفی جام پوری اور ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اپنی تحقیقات میں ان کا ذکر شامل نہیں کیا البتہ میر حسان الحیدری نے انہیں اپنی تحقیق میں شامل کیا ہے۔ ان کے مطابق: سید جلال الدین کلیم حسینی البخاری بدلی ضلع رحیم یار خان کے ایک سادات گھرانے میں ۱۸۴۶ / ۱۲۶۳ھ کے قریب پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری کی تکمیل والد ماجد سے اور علوم باطنی کا اکتساب حضرت سید مومن شاہ صاحب بکائی (ضلع رحیم یار خان) سے کیا۔ خواجگان کوٹ مٹھن (خانوادہ خواجہ فرید) سے بھی حد درجہ عقیدت تھی۔ اپنے والد گرامی کی فرمائش پر 'سسی پنوں' کا مشہور واقعہ نظم کیا۔ کلیم نے اپنی مثنوی ۱۸۸۵ / ۱۳۰۳ھ میں ختم کی۔(۲۰)

میر حسان الحیدری کے بعد ڈاکٹر نصر اللہ خاں ناصر نے بھی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں سید جلال کلیم کو شامل تحقیق کیا ہے۔ ان کے مطابق:

"سید جلال کلیم نے سسی پنوں اور ہیر رانجھا کے قصے لکھے جو اَب نایاب ہیں۔ سسی پنوں کا ایک قلمی نسخہ میر حسان الحیدری کے پاس موجود ہے۔ ہیر رانجھا راقم الحروف کے پاس تھی مگر دیمک کی نذر ہو گئی ہے۔" (۲۱)

سید جلال کلیم کے دونوں قصے مقالہ نگار کے پاس موجود ہیں۔ ہیر رانجھا قلمی حالت میں ہے۔ سسی پنوں کے قصے کو پہلی مرتبہ ۲۰۰۴ میں ایاز سہروردی نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے 'سسی نمانی' کے نام سے شائع کرایا۔ جب کہ اس کے دوسرے قلمی نسخے کو شوکت مغل نے

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

۲۰۱۴ میں جھوک پبلشرز ملتان سے 'سسی' کے نام سے شائع کروایا۔ شوکت مغل کو یہ نسخہ رحیم یار خان کے علی محمد (ر) پٹواری کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوا۔

سید جلال کلیم نے اپنا قصہ 'سسی' ۳۵ سرائیکی عنوانات کے تحت نظم کیا۔ قصے کا آغاز، حمد، نعت، صحابہ کرام کی شان، غوث الاعظم اور والی ریاست نواب بہاول خان کی مداح سرائی سے ہوتا ہے۔ قصے کا باقاعدہ آغاز 'مثنوی درزبان، سرائیکی' کے عنوان سے ہوتا ہے جس میں سسی کے دکھوں اور تکالیف کو موضع بنایا گیا ہے۔ قصے میں بیان ہوئے واقعات کے مطابق سسی مسلسل چالیس دن دریائے اسمور میں بہنے کے بعد بھنبور کے ساحل پر اللہ وسایا نامی دھوبی کے ہاتھ آتی ہے۔ جلال کے قصے میں بھنبور کی ایک سنیارن کا ذکر بھی درج ہے جو پنل خان کے حسن کا بیان سن کر اَن دیکھے طور پر اُس پر عاشق ہو جاتی ہے۔ سسی کو پالنے والا اللہ وسایا دھوبی سسی کے لیے فائق نام کے مالی سے باغ لگواتا ہے۔ یہاں جلال کے قصہ پر عبدالحکیم اچوی کی یوسف زلیخاں والی بحر کے اثرات واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں:

درختیں باغ وچ نتیں نمازاں　　بنفشہ کر مصلیٰ پاک بازاں
بکائن بیدتے صندل دیاراں　　خرنجہ چیل شیشم بے شماراں (۲۲)

کلیمؔ کے قصہ میں سسی کے والد کا نام آدم جام، بہرام اور کھیوا بتایا گیا ہے۔ پنل خان کے والد کا نام جام عالی درج کیا گیا ہے۔ سسی کو پالنے والے دھوبی کا نام اللہ وسایا اور پنل خان کے دوست کیچی تاجر کا نام بیبہا بتایا گیا ہے۔ دیگر قصہ نگاروں کے برعکس کلیم شاہ نے پنل خان کے بھائیوں کے تعداد دو (۲) کی بجائے تین (۳) یعنی ہنگورا، ہوتی اور نوتی بتائی ہے۔

منشی برات علی خان (۱۸۹۴ تا ۱۹۴۶)

منشی برات علی خان کا تعلق موجودہ ضلع راجن پور کی تحصیل جام پور سے تھا۔ رند بلوچوں کا یہ خاندان ہجرت کر کے جام پور سے ریاست بہاول پور کے موجود ضلع رحیم یار خان کی تحصیل خانپور کے قصبے فیروزہ کے نزدیک موجودہ بستی حکیم مرغوب خاں والی میں آکر آباد ہوا۔ اس آبادکاری

کا احوال بیان کرتے ہوئے ان کے پوتے حکیم اعجاز مرغوب خان کا کہنا ہے:

''منشی برات علی خان بلوچ ۵ فروری ۱۸۹۴ کو میاں پیر بخش خان کے گھر ڈھورا جانہ تحصیل جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے۔ منشی برات علی خان حکمت پیشہ تھے اور محکمہ انہار ڈویژن رحیم یار خان میں بطور آفس منشی کام کرتے تھے۔ صوفی منش انسان تھے اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۴۶ میں ۵۲ سال کی عمر میں ہوا۔'' (۲۳)

منشی برات علی خان نے اپنا قصہ 'قصہ اصلی سسی پنوں بزبان بہاولپوری' کے نام سے جولائی ۱۹۳۳ بمطابق ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۲ کو مکمل کیا۔ اس قصہ کو اُن کے بیٹے حکیم مرغوب خان نے منشی برات علی خاں کی زندگی میں ہی عزیز المطابع بہاولپور سے ستمبر ۱۹۳۷ میں شائع کرایا۔ انہوں نے اپنے قصہ کے شروع میں قریباً پانچ صفحات پر مشتمل ایک دیباچہ لکھا جس میں سسی کی جنم بھومی کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ براَت نے اپنے قصے کی ابتدا رواتی انداز میں کرنے کے بعد قصے کا سببِ تصنیف بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے ایک رات خواب میں عذاب قبر دیکھا تو اس کے ہمزاد نے اس سے کہا کہ کوئی درد بھرا افسانہ جوڑو۔ منشی برات علی خاں نے یہ قصہ محکمہ انہار کے ایک ملازم محمد رمضان دایہ سے زبانی سنا تھا۔ اسی خواب کی تعبیر میں انھوں نے اس قصے کو تحریر کیا۔ برات کے قصہ کا راجہ، احمد بخش غافلؔ، اور جلال کلیمؔ کے قصے کی مانند ظالم اور جابر ہونے کی بجائے ایک رحم دل انسان ہے۔ راجہ کے دل میں بیٹے کی شدید خواہش تھی لیکن بیٹی کی پیدائش پر بھی وہ خیر خیرات کرتا ہے اور وزیروں، مشیروں سے صلاح مشورے کرنے کے بعد نجومیوں سے فالیں نکلواتا ہے:

بھر کر سرد شوکارا راجہ نال نجومی بولے　　جان جگر وچ جوڑ لتونی زہری سخت سنگولے
آکھیں لازم وچ قسمت دے نظرن عشق دے شعلے　　آکھیں لیکھ نہ ٹلسی تونیں نال جواہر تولے (۲۴)

عشا کے وقت راجہ سسی کو دریائے سندھ کے 'لڑھونی' کے مقام سے دریابرد کرتے وقت اسے حضرت خضرؑ کے سپرد کرتا ہے اور اس کا انجام جاننے کے لیے شاطر نام کے بندے کو صندوق کے پیچھے کشتی پر سوار کر کے بھیجتا ہے۔ براَت کے قصہ میں سسی کا صندوق چودہ (۱۴) دن دریائے سندھ میں بہنے کے بعد بھنبور کے ساحل پر آتا نام کے دھوبی کے ہاتھ لگتا ہے۔

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

سرائیکی مثنوی نگاری میں برأت کا قصہ سسی پنوں صف اول کے قصوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ منشی برأت علی خان کے قصہ کی ایک خاص بات معاملہ بندی کا لطیف علامتی بیان ہے۔ ڈاکٹر نصراللہ خاں ناصر کے مطابق:

"معاملہ بندی میں سوائے لطف علی کے اور کوئی شاعر منشی برأت علی کے سامنے قدم نہیں جما سکتا۔" (۲۵)

منشی برأت علی کے قصہ میں معاملہ بندی کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ لفظوں کا سماج عریاں نہیں ہوتا اور تمام کیفیات ملفوف پیرائے میں قاری تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس قصے میں صوتی آہنگ کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ اس میں موسیقیت اور سلاست کا ایک نمونہ معاملہ بندی کے پیرایہ میں ملاحظہ ہو:

مست تھیا پیوست خوشی در وسط محل فانوسی — پوپٹ مدوے جھٹ پٹ کیتی ہیٹھ کلی معکوسی
خوشتر آب معطر توں ترکیتا پر طاوسی — بھنورے پرم پیاسی گل کوں پیت پرم رس چوسی (۲۶)

برأت کے قصے میں سسی کے باپ راجہ کا نام آتم رام، سسی کو پالنے والے دھوبی کا نام آتا، پنل خان کے باپ کا نام عالی خان، پنل خان کے بھائیوں کے نام عمر، سومر اور تمر جب کہ سسی کو صحرا میں بری نگاہ سے دیکھنے والے چرواہے کا نام بزدار بتایا گیا ہے۔

جانباز جتوئی (۱۹۲۴ تا ۱۹۹۴)

غلام رسول خان المعروف جانباز جتوئی کا تعلق تو ضلع مظفر گڑھ کی تحصیل علی پور کے قصبہ جتوئی سے تھا لیکن بچپن میں والدہ کی وفات کے بعد زندگی کا بڑا عرصہ ننھیال کے ہاں اوچ شریف میں گزرا اور ان کی آخری آرام گاہ بھی اوچ شریف میں ہی بنی۔ ان کے حالات زندگی کے بارے میں ظفر لاشاری یوں رقم طراز ہیں:۔

"جانباز جتوئی قصبہ جتوئی میں سردار نصرت خان کے گھر ۱۹۲۴ میں پیدا ہوئے۔ وہ چار سال کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا تو نانی اماں کے ہاں اوچ شریف آ گئے۔ یہاں انھوں نے مائی بھاگ

بھری سے قرآن مجید اور مولانا حسام الدین اچوی سے گلستان و بوستان کی تعلیم حاصل کی۔ چھٹی جماعت کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول اوچ شریف اور مڈل کا امتحان گورنمنٹ مڈل سکول جتوئی سے پاس کیا۔ ان کا انتقال ۱۳ رجب المرجب ۱۴۵۱ھ بمطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۹۴ بروز ہفتہ کو ہوا۔" (۲۷)

جانباز جتوئی کی زندگی میں اُن کے دو مجموعہ کلام 'ارداساں' ۱۹۸۵ اور 'تنواراں' ۱۹۸۹ میں شائع ہوئے۔ تیسرا مجموعہ کلام 'ہواڑاں' اُن کے وصال کے ۹ سال بعد ۲۰۰۳ میں شائع ہوا۔ جانبازؔ نے اپنا قصہ 'سسی' ۱۹۵۶ع میں مکمل کیا جسے اُن کی وفات کے ۱۱ سال بعد ۲۰۰۵ میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کیا۔ جانباز کے بیٹے سرفراز جتوئی کے مطابق ابھی تک ان کی ۱۲۷ کافیاں، ۴۵ غزلیں، ۳۰ قطعے، ۹۰ مرثیے، ۱۰۵ نظمیں، قومی و سیبی اور ادبی شخصیات پر ۳۶ نظمیں اور ۱۵۰ سے زائد قصیدے، مسدس اور دوہڑے چھپنے کے منتظر ہیں۔ جانباز کی 'سسی' کل ۲۹ سرائیکی عنوانات پر مشتمل ہے۔ قصے کا آغاز حمد اور نعت کے بعد 'سسی' کی پیدائش کے بیان سے ہوتا ہے۔ قصے میں سسی کے باپ کا نام آدم جام ہے جس نے بیٹی کی پیدائش پر خوشیاں منائیں اور کئی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ دوسرے قصہ نگاروں کے برعکس جانباز کے ہاں راجہ کے ایک وزیر 'سعد' کا ذکر ملتا ہے جو آدم جام کو سسی کی قسمت معلوم کرانے کا مشورہ دیتا ہے۔ جب نجومی سسی کی قسمت کا حال بتاتے ہیں تو آنے والے وقت کی مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے سسی کو پیدائش کے چوتھے دن دریا برد کر دیا جاتا ہے۔ قصے میں سسی کو پالنے والے دھوبی کا نام عطہ، عطہ کی بیوی کا نام وسائی، سسی کو باپ کی طرف سے ملنے والے باغ کا نام لکھی، پنل خان کے باپ کا نام بھی غلطی سے سسی کے باپ کی طرح آدم جام ہی بیان کیا گیا ہے لیکن جب اس غلطی کے ازالہ کے لیے قلمی نسخے کی طرف رجوع کیا گیا تو پتہ چلا کہ دراصل یہ نام سلطان علی ہے جو کتابت کی غلطی سے آدم جام لکھا گیا ہے۔ مطبوعہ اور قلمی نسخے والے اشعار درج ذیل ہیں:۔

کیچ اتے مکران دا والی ہوت جنہاں دی ذاتے — آدم جام ہے نام اوندا ہے والی نیک صفاتے (۲۸)

جبکہ اصل قلمی نسخے والا شعر ملاحظہ ہو:

کیچ اتے مکران دا والی ہوت جنہاں دی ذاتے — نام اوندا سلطان علی ہے حاکم نیک صفاتے (۲۹)

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

جانباز کے قصے میں ایک نیا کردار مالن شرم مائی کا بھی ہے جو سسی کو پنل خان کے حسب نسب اور علاقہ کے بارے میں جان کاری دیتی ہے۔ قصہ میں راجہ کے وزیر سعد، سسی اور عطہ دھوبی کا مکالمہ بہت جاندار رہے۔

غلام حیدر مستانہ (پ۔ ۱۹۱۲)

غلام حیدر مستانہ کا اصل نام مستان علی تھا مگر وہ قلمی نام سے پہچانے جاتے تھے۔ ان کا تعلق کبیر والا کے تھہیم خاندان سے تھا۔ ان کی تاریخ وفات کے بارے میں ابھی تک کوئی استنادی شہادت میسر نہیں ہو سکی تاہم ان کی تاریخ پیدائش اور علاقہ کے متعلق ایم مسعود 'گلزار سسی' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"غلام حیدر مستانہ عرف مستان علی تھہیم ۱۲ ستمبر ۱۹۱۲ کو موضع غوث پور تھہیماں والا تحصیل کبیر والا ضلع ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندانی پس منظر علمی و ادبی ہونے کی وجہ سے آپ کے کئی بزرگ فارسی کے شاعر ہو گزرے ہیں۔" (۳۰)

مستانہ کا قصہ گلزار سسی ۴۷۵ مستزاد دوہڑوں پر مشتمل ہے۔ اس قصے میں دو کافیاں اور ایک گیت بھی شامل ہے۔ شاعر نے قصے کے سنِ تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ اس قصے کو پنجابی ادبی بورڈ نے الکتاب پرنٹرز لاہور سے دسمبر ۱۹۷۸ میں پہلی بار شائع کرایا۔ قصے کی ابتدا روایتی انداز میں حمد، نعت، چار یار، سید فاطمۃ الزہرہ، سید عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی مداح سرائی کے بیان سے ہوتی ہے۔ مستانہ کے قصے میں سسی کے باپ کا نام حاجی محمد صفوری کے قصہ کی طرح راجہ بیرم ہے جو ذات کا جنجوعہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صفوری کے قصہ کا راجہ بیرم سیہون شریف کا حکمران ہے جب کہ مستان علی کے قصہ میں یہ راجہ سوہان نگر (ساندل بار) کے علاقہ کا حکمران ہے۔

اس قصہ میں راجہ کی بیوی کا نام سندراں، سسی کو پالنے والے دھوبی کا نام عطا، سسی کی سہیلیوں کے نام زہراں، جنت، پھاپھاں اور بخشاں جب کہ پنل خان کا نام پنن خان، اس کے والد کا نام آدم جام جبکہ پنل خاں کے بھائیوں کے نام عمر، تمر، سسی کو پالنے والی دھوبن کا نام بھاگاں اور تعلیم

دینے والے استاد کا نام مولوی عنائیت اللہ درج کیا گیا ہے۔ حاجی صفوری کے قصہ کی طرح مستانہ کے قصہ میں بھی پنل خاں کی منگیتر کا نام حور کندائی ہے۔ ان میں فرق صرف اتنا ہے کہ صفوری کی حور کندائی، پنل خان کی بیوی جب کہ مستانے کی حور کندائی، پنل خان کی منگیتر ہے۔ سسی کے اکثر سرائیکی قصہ نگاروں کے ہاں سسی پنل خان کو خواب میں دیکھ کر یا اس کا فوٹو دیکھ کر عاشق ہو جاتی ہے جب کہ مستانے کے ہاں یہ صورتحال اس کے برعکس ہے یعنی سسی کی بجائے خود پنل خان سسی کو خواب میں دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔

ہک شب پنن خاں خواب اندر ہک ڈٹھی شکل نورانی   یوسفؑ ثانی
نال ستی ہک ناز بھری ہمزاد جیوں دل جانی   صاف بیانی (۳۱)

ملک آڈھا خان نطقال (پ۔ ۱۹۴۴)

"ملک آڈھا خان نطقال ۱۴ اپریل نطقال ۱۹۴۴ کو ملک شیر محمد کے گھر ضلع خوشاب کے ایک قصبہ گنجیال میں پیدا ہوئے۔ گنجیال کی ایک معروف دینی درس گاہ سراج العلوم کے علمائے کرام محمد احمد دین گیلوی اور مفتی محمد شفیع جیسے جید علما سے علم کا فیض حاصل کیا۔ یہاں پر مولانا حسین احمد مدنی اور سید عطا اللہ شاہ بخاری جیسے بزرگوں کا آنا جانا رہتا تھا۔ اس روحانی ماحول میں ملک آڈھا خان کا بچپن گزرا۔ ۱۹۲۰ میں جب وہ چھٹی جماعت کے طالب علم تھے تب انہوں نے سرائیکی شاعری کی معروف صنف دوہڑے میں مشق سخن شروع کی۔" (۳۲)

ملک آڈھا خان نے اپنا قصہ سسی پنوں دوہڑوں کی شکل میں منظوم کیا جسے عطا اللہ عیسی خیلوی اور احمد خان ملنگ نے گائیکی کے انداز میں پیش کیا۔ عطا اللہ عیسیٰ خیلوی نے اس قصہ کو تحت اللفظ انداز میں پڑھا جو تین آڈیو کیسٹوں پر مشتمل ہے۔ جس کی ریکارڈنگ آج بھی دستیاب ہے۔ معروف گیت 'ناں ونج وے ماہی ویلا کویلے' اور کافی 'جانی رات رہ پو، گالھیں کریسوں' بھی آڈھا خان کی لکھت ہیں۔ اس مطلع پر مشتمل کافیاں آڈھا خان سے پہلے سرائیکی شاعر صالح اللہ آبادی اور خرم بہاولپوری نے لکھیں۔ 'رموز عشق' کے نام سے آڈھا خان کے مجموعہ کلام کو دانیال کمپیوٹر اینڈ کمپوزنگ

سنٹر قائد آباد خوشاب والوں نے ۲۰۱۰ میں شائع کیا۔ اس میں سسی پنوں کے علاوہ قصہ سوہنی مہینوال، دوہڑے، قطعے، غزلیں، نظمیں، کافیاں، ہفت وارے بارہ ماسے، پنج ویلے، بے نقط، فوق النقاط اور تحت النقاط کلام شامل ہیں۔ ان کی پوری زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی۔

آڈھا خان کا قصہ سسی پنوں ۱۶۹ سرائیکی عنوانات پر مشتمل ہے۔ پورا قصہ دوہڑے کی ہیئت میں لکھا گیا ہے جس میں ہر دوہڑے کے چوتھے مصرعے میں شاعر نے اپنا تخلص آڈھا آستعمال کیا ہے۔ قصے میں کہیں کہیں مستزاد دوہڑے بھی شامل ہیں۔ آڈھا کے قصے میں سسی کے باپ کا نام آدم جام بیان کیا گیا ہے جو بھنبھور کا بادشاہ ہے۔ پنل خان کے والد کا نام علی خان سلطان بتایا گیا ہے لیکن سسی کو پالنے والے دھوبی اور پنل کے بھائیوں کے ناموں کا ذکر تک نہیں ملتا۔ قصے میں سسی کو باپ کی طرف سے دیے گئے باغ کا نام بھی درج نہیں کیا گیا البتہ باغ میں موجود بارہ دری کا ذکر ملتا ہے۔ آڈھا خان کے قصہ میں جب سسی بارہ دری میں لگی پنل خان کی تصویر دیکھ کر اُسے دل دے بیٹھتی ہے تو وہ تصاویر بنانے والے مصوروں سے پنل خان کا پتہ معلوم کرتی ہے:

مصوراں کھول بیان کیتا اُس خان دا دیس مکران ایں — اے سلطان ایں
علی خان سلطان ہے کیچ شہر دا اُس دا پتر جوان ایں — باب دامان ایں (۳۳)

آڈھا خان کے قصہ میں سسی کو صحرا میں بری نگاہ سے دیکھنے والے آجڑی کا نام ایال بتایا گیا ہے جو سسی کو زندہ زمین میں درگور ہوتا دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے اور سسی کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نارنگ، گوپی چند، ڈاکٹر، 'اردو مثنویاں'، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳، ص ص ۱۹۱۔ ۱۹۲۔
۲۔ صالح محمد مسکین نے اپنے پیشرو اور ہم نام قصہ نگار صالح محمد کے قصہ سسی پنوں کا ذکر اپنے منظوم قصے کی ابتدا میں اس انداز سے کیا ہے:
شاعر وچ زمانے سابق صالح مرد سیاناں اگے اُس اے قصہ جوڑیا پُوتا دُر داناں
میاں مسکین، سسی پنوں مع رسالہ نیم ملاں خطرہ ایمان، لاہور: در مطبع محمدی، ۱۲۹۷ھ، ص:۶۔
۳۔ شفیع عقیل، سسی پنوں ہاشم شاہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲، ص:۱۹۰۔ ۱۹۱۔
۴۔ حسان الحیدری، میر، 'سرائیکی ادب'، مشمولہ 'تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند'، جلد ۱۴، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱، ص:۳۰۱۔

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

۵۔ اکبر شاہ، سید، 'سسی و پنوں'، ملتان: ہمدرد پریس، س ن، ص:۲۔
۶۔ ایضاً۔
۷۔ کھوسہ، غلام نبی، (مقدمہ)، 'سسی پنوں'، خلیفہ نبی بخش لغاری، شکارپور: مولوی محمد عظیم اینڈ سنز، ۱۹۷۰، ص: الف۔
۸۔ نبی بخش بلوچ، ڈاکٹر، 'سندھی زبان و ادب کی تاریخ'، (مترجم) شنذرہ سکندری، جام شورو: سندھی ادبی بورڈ، ۲۰۰۹، ص:۳۸۹۔
۹۔ لغاری، خلیفہ نبی بخش، 'سسی پنھون سرائیکی زبان میں'، (مرتبہ) نور احمد میمن، شکارپور: مولوی محمد عظیم اینڈ سنز، ۱۹۷۰، ص:۱۹۵۔
۱۰۔ رسولپوری، محمد اسلم (مرتب)، 'منتخب کلام حمل لغاری'، ملتان: بزم ثقافت، ۱۹۸۱، ص:۱۷۔
۱۱۔ نبی بخش بلوچ، ڈاکٹر، 'سندھی زبان و ادب کی تاریخ'، (مترجم) شنذرہ سکندری، جام شورو: سندھی ادبی بورڈ، ۲۰۰۹، ص:۱۵۶۔
۱۲۔ سندیلو، عبدالکریم، ڈاکٹر، (مقدمہ)، 'کلیاتِ حسین دیدڑ'، حسین دیدڑ، جام شورو: سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۹۲، ص:۸۔
۱۳۔ حسان الحیدری، میر، 'سرائیکی ادب'، مشمولہ 'تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند'، جلد ۱۴، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱، ص:۳۲۲۔
۱۴۔ حسین دیدڑ، 'کلیات حسین دیدڑ'، (مرتبہ) ڈاکٹر عبدالکریم سندیلو، جام شورو: سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۹۲، ص:۱۳۰۔
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۹۱۔
۱۶۔ صاحبزادہ یوسف طاہر، (مقدمہ) 'سسی پنوں'، حاجی محمد صفوری، لاہور: آئینہ ادب انارکلی، ۱۹۷۲، ص:۳۴۔
۱۷۔ مہر عبدالحق، ڈاکٹر، 'تھل'، اسلام آباد: لوک ورثہ اشاعت گھر، ۱۹۹۲، ص ص:۱۰۶، ۱۰۵۔
۱۸۔ حاجی محمد صفوری، 'سسی پنوں'، لاہور: آئینہ ادب انارکلی، ۱۹۷۲، ص:۳۴۔
۱۹۔ ایضاً، ص:۵۳۔
۲۰۔ حسان الحیدری، میر، 'سرائیکی ادب'، مشمولہ 'تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند'، ج ۱۴، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱، ص:۳۱۸۔
۲۱۔ ناصر، نصراللہ خان، ڈاکٹر، 'سرائیکی شاعری دا ارتقا'، ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۷، ص:۳۶۶۔
۲۲۔ کلیم، سید جلال شاہ، 'سسی نمانی'، (مرتبہ) ایاز سہروردی، لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۴، ص:۴۸۔
۲۳۔ مقالہ نگار کا حکیم اعجاز مرغوب خان (پوتا منشی برآت علی خان) سے زبانی انٹرویو، بمقام مرغوب دواخانہ فیروزہ، مورخہ ۱۲ اگست، ۲۰۱۴، بروز ہفتہ۔
۲۴۔ برآت علی خاں، منشی، 'قصہ اصلی سسی و پنوں بزبان بہاولپوری'، فیروزہ: مرغوب دواخانہ، ۱۹۳۷، ص:۱۷۔
۲۵۔ ناصر، نصراللہ خان، ڈاکٹر، 'سرائیکی شاعری دا ارتقا'، ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۷، ص:۳۶۳۔
۲۶۔ برآت علی خاں، منشی، 'قصہ اصلی سسی و پنوں بزبان بہاولپوری'، فیروزہ: مرغوب دواخانہ، ۱۹۳۷، ص:۴۲۔
۲۷۔ ظفر لشاری، 'جانباز'، لاہور: پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۹۹، ص:۱۹۔
۲۸۔ جانباز جتوئی، 'سسی'، بہاول پور: سرائیکی ادبی مجلس، ۲۰۰۵، ص:۱۰۹۔
۲۹۔ جانباز جتوئی، 'سسی'، (قلمی)، ملکیہ سرفراز خان جتوئی (فرزند جانباز جتوئی)، اوچ شریف، ص:۸۹۔
۳۰۔ ایم مسعود، (مقدمہ)، 'گلزار سسی'، غلام حیدر مستانہ، لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۷۸، ص:۴۔
۳۱۔ مستان علی، 'گلزار سسی'، لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۷۸، ص:۶۱۔
۳۲۔ ملیزئی، تنویر شاہد، 'ملک آڈھا خاں'، (مضمون) مشمولہ روزنامہ 'خبریں'، ملتان، وسیب سنگ، ۳۱، اکتوبر ۲۰۱۱۔
۳۳۔ نطقال، ملک آڈھا خان، 'رموزِ عشق'، خوشاب: دانیال کمپیوٹر اینڈ کمپوزنگ سنٹر قائد آباد، ۲۰۱۰، ص:۱۳۵۔

Shah Abdul Latif Bhitai Chair